۱۵ دسمبر ۱۹۷۰ء

ہفتہ وار

ہماری زبان

جلد ۲۹ | ایڈیٹر: آل احمد سرور | شمارہ ۴۷

اس شمارے میں

اداریہ

اردو گھر اور اردو دوست

اردو گھر کی تعمیر کے لئے ہماری زبان کے ذریعہ سے، ہم چندے کی اپیل کئی بار کر چکے ہیں، ہمیں خوشی ہے کہ اردو دوستوں نے اس اپیل پر چندہ بھیجا، جس کی تفصیل ہماری زبان میں آچکی ہے۔ اگرچہ اس چندے کی تعداد ابھی تک ہماری توقع سے بہت کم ہے، مگر ہم مایوس نہیں ہیں۔ دراصل چونکہ زمین کے حاصل کرنے نقشے کے لئے اجازت لینے اور حکومت ہند سے اس گرانٹ کے حاصل کرنے میں جس کا وعدہ مولانا آزاد نے اپنے ایک خط میں کیا تھا، خاصا وقت صرف ہوا، اس لئے قدرتی طور پر چندے کی رفتار سست ہو گئی۔ مگر اب حالات سازگار ہو گئے ہیں۔ عنقریب ہمارے نقشے منظور ہو جائیں گے اور ہم تعمیر کے لئے ٹنڈر طلب کرنے والے ہیں۔ مرکزی وزیر تعلیم نے پارلیمنٹ میں اور اپنی پریس کانفرنس میں چار لاکھ کے چندے کا اعلان کر دیا ہے، ہم امرا اور اداروں سے بھی اپیل کر رہے ہیں کہ وہ اس کار خیر میں حصہ لیں۔ پوری عمارت پر ساڑھے آٹھ لاکھ روپیہ کی لاگت کا اندازہ کیا گیا ہے۔ انجمن کے پاس عمارت فنڈ میں ڈیڑھ لاکھ روپیہ موجود ہے۔ اس کے علاوہ پندرہ ہزار سے اوپر عام چندے سے جمع ہو چکا ہے۔ اگلے سال ہم دہلی، بمبئی، حیدرآباد اور دوسرے اہم مقامات پر ایسے تہذیبی اور ادبی اجتماع کریں گے جن کے ذریعہ سے اردو گھر کے لئے اچھی رقم مل سکے۔ اس کے علاوہ انجمن کے ممبر اپنے اپنے حلقے میں چندہ کریں گے، لیکن ہماری دلی آرزو ہے کہ ہماری زبان کے ذریعہ سے اردو دوستوں کے چندے کی رقم ایک لاکھ سے کم نہ ہو، یہ رقم اردو دوستوں کی ہمارے ملک میں پھیلی ہوئی آبادی کو دیکھتے ہوئے، بہت معمولی رقم ہے لیکن اس طرح چندہ کرنے میں ایک رمز ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اردو گھر کی تعمیر میں زیادہ سے زیادہ اردو دوستوں کا ہاتھ ہو۔ ہم نے اس غرض سے ایک علحدہ رجسٹر بنوایا ہے جس میں ہر اس شخص کا نام اور چندہ درج ہوگا جو ہماری زبان کی اپیل پر چندہ دے گا۔ ناموں کی فہرست تو وقتاً فوقتاً ہماری زبان میں شائع ہوتی ہی رہتی ہے۔ موجودہ دور میں بڑی رقموں کی فراہمی کے لئے لوگ حکومت صنعت کاروں اور اہل دول کی طرف ہی دیکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کو

اشاعت کی تاریخیں ۱، ۸، ۱۵، ۲۲

انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ

فی کاپی ۱۵ پیسے
قیمت سالانہ: ۵ روپئے

بھی قومی، تہذیبی اور ادبی کاموں میں ہر طرح کی امداد کرنی چاہیے، مگر اردو گھر کی تعمیر میں اردو دوستوں اور عوام کا حصّہ زیادہ ہونا چاہیے۔ ہندوستان کی راجدھانی میں جب ہمارا اردو گھر اپنا کام کرے گا تو اس کے کاموں کا دائرہ بھی بڑھے گا اور وہ زیادہ موثر بھی ہوسکے گا۔ انجمن اردو زبان و ادب کے فروغ کے سلسلے میں قومی نقطۂ نظر سے برابر جدو جہد کر رہی ہے۔ انجمن اردو کی بقا اور ترقی کے کام کو کسی مذہبی فرقے، سیاسی گروہ یا کسی علاقے کا اجارہ نہیں سمجھتی، وہ دوسرے اداروں کے کام پر اعتراض بھی نہیں کرتی وہ بھی اداروں سے تعاون کی خواہشمند ہے اور سب کے ساتھ تعاون کے لئے آمادہ۔ ہاں وہ یہ ضرور چاہتی ہے کہ اردو تحریک قومی خطوط پر چلائی جائے۔ اردو ہندوستان کی قومی زبانوں میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ ہر معنی میں ایک کل ہند زبان ہے، اس کل ہند زبان کا مرکزی دفتر ہندوستان کی راجدھانی میں ہونا چاہیے اور اس کے شایانِ شان ہونا چاہیے، یہ اس وقت ہوسکتا ہے جب سبھی اردو دوست اپنے فرض کو محسوس کریں اور اردو گھر کی تعمیر میں زیادہ سے زیادہ حصّہ لیں۔ ہم اس چندے کی رقم کو معمولی نہیں سمجھتے جو ہمیں بھیجا گیا ہے ہاں ہم یہ ضرور چاہتے ہیں کہ وہ بھی ہماری زبان کے پڑھنے والوں کے شایانِ شان ہو، اس لئے ہم ایک بار پھر اپنے تمام خریداروں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اپنا چندہ ہمیں جلد سے جلد ارسال کریں۔ جن حضرات کے پاس چندے کی رسید کی کتابیں ہیں ان سے بھی گزارش ہے کہ وہ جلد سے جلد اپنا کام مکمل کرکے ہمیں پورا حساب بھیج دیں، چندے کی رقم کی کوئی تخصیص نہیں ہے، چھوٹی سے چھوٹی رقم بھی جو خلوص سے بھیجی جاتی ہے بہت بڑی دولت ہوتی ہے اس طرح قطرہ قطرہ کرکے دریا اور دانہ دانہ کرکے خرمن ہوتا ہے، ہمیں بہر حال ساڑھے چار لاکھ کی رقم عام چندے اور خاص خاص اشخاص اور اداروں کے ذریعہ سے جمع کرنا ہے تاکہ اردو گھر کی تعمیر میں حکومت سے زیادہ ہندوستان کے ان عوام و خواص کا حصّہ ہو جو اردو سے محبت رکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ زبان ترقی کرے اور نئے ہندوستان کی تعمیر میں اس کا قرار واقعی حصّہ ہو۔

"دو ادبی اسکول" کی اشاعت

علی جواد زیدی کی تازہ ترین تصنیف "دو ادبی اسکول" شائع ہوگئی ہے۔ اس معرکۃ آرا کتاب میں جو برسوں کی تحقیق کا نچوڑ ہے لائق مصنف نے یہ ثابت کیا ہے کہ "لکھنؤ اسکول" اور "دلی اسکول" کی مفروضہ تقسیم قطعاً نا سائنسی اور غیر تاریخی ہے کتاب نسیم بک ڈپو لکھنؤ سے شائع ہوئی ہے۔

• نامہ نگار

علی گڑھ تحریک پر مواد کی تلاش

میں "علی گڑھ تحریک کا اردو ادب پر اثر" پر کشمیر یونیورسٹی میں تحقیقی کام RESEARCH کر رہی ہوں۔ مجھے اس موضوع پر مقالوں و مضامین کی اشد ضرورت ہے۔ ہندو پاک میں رہنے والے اردو دوست حضرات سے التماس ہے کہ میرے تحقیقی کام میں مواد فراہم کرکے میری مدد فرمائیں میں مشکور و ممنون ہوں گی۔

مواد کی فراہمی کے لئے حسب ذیل پتہ پر خط و کتابت کریں۔

عتیقہ راحت بی۔ اے۔ آنرز، ایم۔ اے
شعبۂ اردو۔ کشمیر یونیورسٹی حضرت بل سری نگر کشمیر

غالب کے متعلق تین نئی کتابوں کا اجرا

بھوپال: مجلہ سیفیہ کے "غالب نمبر" کی غیر معمولی مقبولیت کے پیش نظر، اس خصوصی اشاعت میں شائع شدہ متنوع مضامین کو کتابی شکل میں مندرجہ ذیل تین جلدوں میں ترتیب دیا گیا ہے

(۱) "شہرتِ غالب بگیتی"۔ (معروف قلمکاروں کے تنقیدی مقالات)

(۲) "نسخۂ بھوپال اور نسخۂ بھوپال ثانی" (پروفیسر عبدالقوی دسنوی کا طویل تحقیقی مقالہ)

(۳) "بانشر داد نو" (نئی نسل کے قلمکاروں کے تنقیدی مقالات)

ہر جلد کی قیمت تین روپے ہے۔ یہ کتابیں مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ شعبۂ اردو سیفیہ کالج بھوپال

• متین سید

بھیمڑی میں اردو میڈیم ٹکنیکل اسکول

حکومت ہند کے اعلیٰ افسر اے۔ یو شیخ نے اپنے جواں مرگ بیٹے کے نام سے جو ٹرسٹ قائم کیا ہے اس کے تحت شاد آدم شیخ ٹکنیکل ہائی اسکول اردو میڈیم کے ساتھ امسال بھیمڑی میں قائم کیا گیا ہے۔ جس میں داخلہ آٹھویں جماعت سے شروع ہوچکا ہے امید ہے کہ اسکول کی اپنی عمارت بہت جلد تیار ہوجائے گی۔

***

عابد صفی ایم۔اے

ٹملناڈ میں اردو کی تاریخ پر مضامین

(ایک جائزہ)

ایک وقت ایسا بھی تھا جبکہ کسی مدراسی کو اردو بولتے ہوئے سن کر شمال کے اچھے اچھے نقاد اور مورخان اردو چونک پڑتے تھے۔ لیکن آج وہ بات نہیں رہی ہے۔ آج کسی حد تک اہل شمال واقف ہو گئے ہیں کہ اردو کا دامن جنوب کے دور دراز مقامات تک بھی پھیلا ہوا ہے شمال کے آگے ٹملناڈ میں اردو کے موقف ومقام کو پیش کرنے میں کئی باتوں کو دخل ہے۔ ایک طرف وہ کل ہند مشاعرے ہیں جن میں شریک ہونے کے لئے شمال سے بڑے بڑے شاعر یہاں آتے ہیں اور واپس جاکر یہاں کی اردو دوستی کے گن گاتے ہیں اور کچھ یہاں کے وہ نوجوان شعرا وادبا ہیں جن کی تخلیقات شمال کے جریدوں میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ان کے علاوہ شمالی ہند کے رسائل میں شائع ہونے والے کچھ وہ مضامین ہیں جو یہاں کی اردو تاریخ پر روشنی ڈالنے کے لئے لکھے گئے۔ ان تینوں متذکرہ باتوں میں جو اہمیت موخرالذکر کو حاصل ہے وہ پہلی دو باتوں کو حاصل نہیں۔ کیونکہ تخلیقات تو پہلے بھی شمال کے پرچوں میں شائع ہوتی تھیں اور داد تحسین حاصل کرتی تھیں۔ اسی طرح شمالی ہند کے شاعروں میں کئی ایسے بھی ملے جنھوں نے ہمارے آگے ہماری اردو دانی کی جی کھول کر داد دی اور اپنے وطن پہنچے تو یہاں تک ہماری تحقیر کی کہ ہم کو غ اور ق کے تلفظ تک سے ناواقف گردانا۔ لیکن جو مضامین یہاں کی اردو تاریخ سے متعلق شائع ہوئے ان کا تاثر دیرپا اور نتیجہ کسی نہ کسی شکل میں مفید نکلا۔

یہاں میں چند ایسے مضامین وتصنیفات کا ذکر کروں گا جو ٹملناڈ یا قدیم صوبۂ مدراس میں اردو کی پیدائش ونشو ونما اور اس کے حال ومستقبل سے متعلق لکھے گئے۔

مدراس میں اردو کی تاریخ سے متعلق سب سے پہلی تصنیف نصیرالدین ہاشمی کی ہے۔ انھوں نے صوبۂ مدراس میں اردو کی ابتدا اور نشو ونما سے متعلق تحقیق وتفتیش کی اور ایک مستقل تصنیف "مدراس میں اردو" کے نام سے شائع فرمائی اس کی اہمیت اسی بات سے ظاہر ہے کہ آج تک بھی کسی نے کوئی ایسی تصنیف نہیں پیش کی جسے اس کے مقابلے میں رکھا جاسکے۔

موصوف کے بعد ڈاکٹر عبدالحق مرحوم کا نام آتا ہے۔ بقول پروفیسر رشید احمد صدیقی ڈاکٹر صاحب مرحوم کی خواہش تو یہ تھی کہ مدراس میں اردو کی ایک مبسوط تاریخ لکھی جائے۔ اس سلسلے میں مرحوم نے بہت کچھ مواد بھی جمع کر لیا تھا مگر افسوس کہ عدیم الفرصتی اور قبل از وقت موت نے انھیں اس کام کی اجازت نہیں دی۔ لیکن بابائے اردو مولوی عبدالحق اور رنگ آبادی مرحوم نے، جو موصوف کے نہایت گہرے دوستوں میں سے تھے، انھیں کچھ نہ کچھ لکھنے پر مجبور کیا جس کے نتیجہ میں ایک بہت پتہ کا مضمون تصنیف ہو گیا۔ یہ مضمون "انیسویں صدی کے اردو اخبار" کے نام سے سہ ماہی جریدے "اردو" میں شائع ہوا۔ اس مضمون میں آپ نے انیسویں صدی کے درمیان اور نصف آخر میں مدراس سے شائع ہونے والے چار اردو اخباروں کا تذکرہ قدرے تفصیل کے ساتھ کیا ہے۔ یہ مضمون اس حیثیت سے بہت اہم ثابت ہوا کہ اس کے ذریعہ پہلی بار شمال والوں پر یہاں کی صحافت آشکار ہوئی۔ اگرچہ کہ "اختر شاہنشاہی" میں بھی شہر مدراس یا صوبۂ مدراس کے بہت سارے قدیم اردو اخبارات کے نام وسن اجرا وغیرہ مل جاتے ہیں۔ اور یہاں کی صنف صحافت اور قدیم اردو اخبارات سے متعلق کچھ اشارات وتذکرے عثمانیہ یونیورسٹی کے جرنلوں کے متفرق شماروں میں بھی ہو گئے ہیں۔ لیکن اس باب میں مستقل مضمون کی حیثیت سے یہ پہلا مضمون ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے بعد پھر ایک زمانہ تک اس عنوان پر کسی مدراسی نے قلم نہیں اٹھایا۔ مدراس سے باہر والوں میں جگن ناتھ آزاد اور

آفتاب شمسی

غزل

کس کو بتلاؤں سرِ راہگذر میں کیا ہوں
دھوپ کے قہر سے سہما ہوا اک پتا ہوں
ساحلِ جسم سے سر پھوڑتی ہے خون کی موج
جس کی قسمت میں سمندر نہیں وہ دریا ہوں
سیکڑوں صدیوں کی دوری کا سبب ہو شاید
اب مجھے لگتا ہے وہ جسم ہے میں سایا ہوں
رات بھر چیختی ہے تنہائی جسے میرے گرد
صبح ہوتے ہی وہ دیوار میں ڈھا دیتا ہوں
یہ نئی سمت مجھے دیکھئے کیا دیتی ہے
رات دن اپنے تعاقب میں رہا کرتا ہوں
میرے اندر جو چھپا ہے اسے تنہا پا کر
صرف لڑتا ہی نہیں صلح بھی کر لیتا ہوں
جب کتابوں سے تسلی نہیں ہوتی مجھ کو
جا کے بازار میں ہر چہرے کو میں پڑھتا ہوں
دن نکلتے ہی جو ہو جاتا ہے رخصت مجھ سے
رات بھر میں اسی سائے سے ڈرا کرتا ہوں
میرا ماتم کیا کرتی ہے مرے بعد کی نسل
سو برس میں فقط اک بار جنم لیتا ہوں

ضیا فتح آبادی کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ جناب جگن ناتھ آزاد نے اپنی مختصر تصنیف "جنوبی ہند میں دو ہفتے" میں اس ضمن میں تھوڑا بہت لکھا ہے۔

اسے جب اردو سیمینار کا سالنامہ فانوس خیال نکلنا شروع ہوا تو اس میں جناب ضیا فتح آبادی نے "دورِ جنوب میں اردو" کے عنوان سے ایک قسط وار مضمون لکھنا شروع کیا جو کئی قسطوں میں چلا۔ اس مضمون کو مختصر ہونے کے باوجود یہاں کے دورِ حاضر کے شعراء کا تذکرہ کہا جا سکتا ہے۔ شعراء کا اس لئے کہ اس میں صرف یہاں کے شعراء پر قلم اٹھایا گیا تھا۔

۱۹۶۰ء میں یا اس کے لگ بھگ جناب حسرت سہروردی نے ایم لٹ کے لئے اسی مضمون کو چنا۔ ان کی تصنیف "شعرائے نظر نگر" بھی غالباً اسی تحقیق کا ایک حصہ ہے۔ اس میں انھوں نے ترچناپلی (نظر نگر) کے شعراء کی تاریخ پیش کی ہے۔ جو ٹملناڈ کے صوبے کی اردو تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ اس تصنیف کی بہت ساری خوبیاں ہیں۔ اس کے ذریعہ شعراء کے حالات اور بکھرے ہوئے تذکرے نہ صرف یکجا ہوگئے ہیں بلکہ بہت سارے چھپے ہوئے گوشے بھی منظر عام پر آگئے ہیں۔

اسی دوران میں راقم الحروف نے بھی کوشش کی کہ مدراس میں اردو کی زندگی کے کچھ نقوش شمال کے آگے پیش کئے جائیں۔ ارادہ تھا کہ پہلے اردو سے متعلق یہاں کے ماضی و حال کا ایک خاکہ پیش کر دیا جائے اور اس کے بعد بالترتیب یہاں کی اردو صحافت، یہاں کی شاعری، یہاں کی نثر نگاری اور یہاں کی ناول و افسانہ نویسی سے متعلق چار مضمون الگ الگ لکھے جائیں۔ اس سلسلے کا پہلا مضمون "ہماری زبان" ہی میں شائع ہوا لیکن اعلیٰ تعلیم کے حصول کی لگن نے اس کام کو پس پشت ڈال دیا اور یہ سلسلہ مواد جمع کرنے تک آکر رک گیا۔

اس کے علاوہ پچھلے دس سالوں میں یہاں کی ادبی انجمنوں اور اداروں کی کارکردگیوں کو پیش کرنے کی چھوٹی بڑی کئی کوششیں ہوئیں جن میں کاوش بدری، عادت مدراسی اور دانش فرازی کے نام لئے جا سکتے ہیں۔ انھوں نے وقتاً فوقتاً مقامی جریدوں میں یہاں کی چھوٹی بڑی انجمنوں میں ہونے والی ہلچل کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اسے تاریخی ریکارڈ سے زیادہ وقتی چیز میں کہنا مناسب ہوگا۔ یہ مضامین یا رپورٹیں مضمون نگاروں کے اپنے حلقوں سے تعلق رکھنے والی انجمنوں سے متعلق زیادہ اور غیر جانبدار کم رہے ہیں۔ تاہم معلوماتی ہیں۔

دانش فرازی کے قطعات کے مجموعہ "رنگ سنگ" کے شروع میں کاوش بدری کا ایک مضمون بھی شامل ہے۔ بقول مصنف اس میں مدراس میں ترقی پسند ادب کی کہانی پیش کی گئی ہے لیکن "شعلہ و شبنم" میں شائع ہونے والے ایک تبصرے کے مطابق اس میں ترقی پسند ادب کی تاریخ سے زیادہ آپ بیتی پیش ہوئی ہے۔

تقریباً دو سال پیشتر پروفیسر حیدر علی خاں صاحب ریڈر شعبہ فارسی کا ایک مضمون (تقریر) آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوا اور پھر ایک مقامی جریدے میں شائع بھی ہوا جو بہت جامع اور معلوماتی بھی ہے۔ اس میں جانبداری اور قیاس آرائی سے زیادہ تاریخی شواہد سے کام لیا گیا ہے۔

حال میں جناب کاوش بدری نے ایک مضمون کے ذریعہ ٹملناڈ میں اردو کے حال و مستقبل کا جائزہ لیا ہے۔ یہ مضمون ہماری زبان کی ایک قریبی اشاعت ہی میں شائع ہوا ہے۔ اگرچہ کہ مضمون معلوماتی ہے لیکن یہاں کے حلقے خصوصاً وہ جو حالات سے پوری اور صحیح واقفیت رکھتے ہیں اس مضمون سے مطمئن نہیں ہیں۔ اس میں جہاں حقائق سے زیادہ قیاس آرائی سے کام لیا گیا ہے وہیں جانبداری بھی گھس آئی ہے۔ چونکہ زیادہ تر قیاس آرائی یا سنی سنائی باتوں پر مشتمل ہے اس لئے "غیر ذمہ دارانہ تحریر" بن کر رہ گیا ہے۔ لیکن اس میں کچھ اچھی باتیں بھی ہیں۔ اس کے ذریعہ اردو داں طبقہ بہت سارے ایسے ناموں سے دو چار ہوا ہے جن کا تذکرہ ابھی تک کہیں نہیں ہوا اور جو بڑی تیزی سے ابھر رہے ہیں۔

جولائی ۷۰ء کے "آجکل" میں شہر مدراس پر ایک مضمون شائع ہوا ہے۔ اگرچہ یہ مضمون "شہر مدراس" پر ہے لیکن اس کا تذکرہ یہاں اس لئے کیا جا رہا ہے کہ اس میں یہاں بولی جانے والی زبانوں کا بھی ذکر ہوا ہے۔ اردو سے متعلق مواد مختصر ہونے کے باوجود جامع ہے لیکن ایک غلط فہمی مصنف کو یہاں بھی ہوتی ہے۔ اس میں "نیو کالج" کو اعلیٰ اردو تعلیم کا سب سے بڑا مرکز بتایا گیا ہے۔ نیو کالج "مسلمانوں" کی اعلیٰ تعلیم کا سب سے بڑا مرکز تو ہو سکتا ہے اردو کا نہیں۔ اردو کی اعلیٰ تعلیم صرف گورنمنٹ آرٹس کالج مدراس میں ہوتی ہے اور اس سے بھی بڑا مرکز یونیورسٹی کا شعبۂ اردو و فارسی و عربی ہے جہاں پروفیسر یوسف کوکن صاحب کے زیر نگرانی ان تینوں زبانوں میں تحقیقی کاموں کی سہولتیں مہیا ہیں۔

ان مضامین کے علاوہ اور کوئی مضمون یا تصنیف میری نظر سے نہیں گزری جس میں مدراس میں اردو سے متعلق خاطر خواہ معلومات بہم پہنچائی گئی ہوں۔ اس مضمون سے ایک بات قارئین پر ظاہر ہو جائے گی کہ نصیر الدین ہاشمی کی تصنیف کے علاوہ تمام تر کام منتشر و متفرق مضامین کی شکل میں ہوا ہے اور نصیر الدین ہاشمی کی تصنیف بھی ۱۹۳۸ء میں شائع ہوئی تھی۔ لہٰذا ایک ایسی تصنیف کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جس میں سیر حاصل تحقیق سے کام لیا جائے اور جس سے اس پہلو کے پورے نقوش جدید ترین معلومات کے ساتھ منظر عام پر آجائیں۔

مراسلات

رسم خط کے پردے میں ادب دشمنی

میری توجہ بعض اخباروں کی ان خبروں اور بعض ادبی حلقوں کی ان تجاویز کی جانب مبذول کرائی گئی ہے جن میں کرشن چندر اور سجاد ظہیر کو اردو رسم خط کو دیوناگری رسم خط میں بدل دینے کا محرک قرار دے کر مطعون کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ میرا خیال تھا کہ خود ان حضرات کی تردید کے بعد یہ بحث ختم ہو جائے گی لیکن اندازہ ہوتا ہے کہ مختلف قسم کے غیر ترقی پسند عناصر جان بوجھ کر یہ غلط فہمیاں اس طرح پھیلا رہے ہیں کہ کچھ ترقی پسند اور بالعموم غیر جانبدار ادیب بھی ان کا شکار ہو گئے ہیں۔ افرو ایشیائی ادیبوں کی کانفرنس کے زمانے میں یہ خبر پھیلائی گئی کہ اس کانفرنس میں کرشن چندر اور سجاد ظہیر اردو رسم خط کے خلاف کوئی تجویز پیش کریں گے۔ میں وہاں اردو ڈیلی گیشن کا سربراہ چنا گیا تھا اور ہر جلسہ میں شریک تھا۔ میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ نہ کانفرنس سے پہلے، نہ اس کے دوران میں اور نہ اس کے بعد ایسی کسی تجویز کا تذکرہ کسی شکل میں آیا۔ میں ذاتی طور سے بھی جانتا ہوں کہ کرشن چندر اور سجاد ظہیر کبھی اس تجویز کے حامی نہیں رہے ہیں بلکہ صورت حال اس کے برعکس ہے۔ غلط فہمی اور گمراہی پھیلانے والوں کے تو مفاد ہوں گے لیکن حیرت ان لوگوں پر ہے جو ایسی باتوں پر یقین کر لیتے ہیں۔ اول تو یہ مفروضہ ہی سرے سے بے بنیاد ہے اور دوسرے اس کانفرنس میں جو ایشیا اور افریقہ کے ادبی مسائل اور مقاصد ان کی توسیع اور اشاعت، باہمی ادبی اور تہذیبی تعاون کے طریقوں پر غور کرنے کے لئے منعقد کی گئی تھی، اس مسئلہ کو کسی طرح پروگرام میں شامل ہی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ کسی زبان کا رسم خط کیا ہو! اس طرح کی تہمت طرازی جانی بوجھی سازش ہی کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔ اس کا مقصد کردار کشی کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا اور اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ کرشن چندر اور سجاد ظہیر کو ایسے ادبی حربوں سے متاثر نہیں ہونا چاہیے۔

الٰہ آباد ● سید احتشام حسین

غالب کی بھوپال والی غزل

ہماری زبان (۱۵ر نومبر ۱۹۷۰ء) میں ڈاکٹر ابو محمد سحر کا مضمون "نسخۂ بھوپال بخط غالب سے گل رعنا بخط غالب تک" دیکھا۔ اصل موضوع بحث سے ہٹ کر مجھے غالب کی اس غزل سے متعلق کچھ کہنا ہے جس کے دیوان غالب میں شامل کئے جانے کو سحر صاحب نے "اردو تحقیق کا سب سے حیرت انگیز واقعہ" کہا تھا، یعنی جس غزل کا مقطع ہے:

پیرانہ سال غالبؔ میکش کرے گا کیا
بھوپال میں مزید جو دو دن قیام ہو

اس سے پہلے بھی جناب ابو محمد سحر اس غزل پر تفصیل سے لکھ چکے ہیں اور مالک رام صاحب پر شدید نکتہ چینی کر چکے ہیں۔ اس میں بظاہر اتنا برہم کی کوئی بات نہیں تھی۔ یہ دراصل سرچ اور ریسرچ کے فرق کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ مالک رام یا مولانا عرشی نے ایک ایسی غزل جو اصلاً غالب کی نہیں تھی، اپنے اپنے مرتبہ نسخوں میں شامل کی تو یہ ان کی سرچ تھی۔ ڈاکٹر گیان چند اور ڈاکٹر ابو محمد سحر نے اپنے وسائل سے کام لے کر یہ ظاہر کر دیا کہ غزل قطعاً جعلی تھی اور اپریل فول کے سلسلے میں کہی گئی تھی، تو یہ ریسرچ ہے۔ مگر اس سے نہ مالک رام اور نہ مولانا عرشی کا پایۂ علمی حقیر ہوتا ہے نہ جناب سحر کے لئے کوئی غیر معمولی کریڈٹ کی بات ہے۔ معاملے کے سارے پہلوؤں پر ہمدردی سے غور کرنا چاہیے۔ شک کرنا تجسس کی اور غصہ کرنا صحت کی علامت ہے مگر اس کا برمحل استعمال ہونا بھی ضروری ہے۔ سب سے پہلے یہ غزل رسالہ "گوہر تعلیم" بھوپال میں چھپی تھی جو غالباً وکل قسم کا کوئی رسالہ تھا۔ میری طرح بہتوں نے اس کی شکل بھی نہ دیکھی ہوگی اور آج بھوپال میں بھی وہ خاص تلاش کے بعد ہی مل سکے گا۔ اس رسالے میں کسی نے یہ خطرناک مذاق کیا کہ بزعم خود غالب کے رنگ میں ایک غزل کہی اور اس کے ساتھ یہ نوٹ شائع دیا:

"فصیح الملک، خدائے سخن، نواب مرزا اسد اللہ خاں صاحب غالب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غیر مطبوعہ غزل وہ متبرک روحانی تحفہ جو اب تک مرزا غالب کے کسی دیوان یا ضمیمے میں شائع نہیں ہوا اور جو امیر الامراء نواب یار محمد خاں صاحب مرحوم کے کتب خانہ قدیم سے بذریعۂ خاص حاصل کر کے شائع کیا جا رہا ہے۔" (جوہر قریشی بھوپالی)

یہ نوٹ غزل سے زیادہ گمراہ کن تھا۔ اس میں نواب یار محمد خاں شوکت کا حوالہ ہے جن کا غالب سے ربط معلوم و مشہور ہے۔ "گوہر تعلیم" (اپریل ۱۹۲۷ء) سے یہ غزل "منادی" (دہلی) نے نقل کی جو خواجہ حسن نظامی مرحوم کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ "منادی" سے (یا براہ راست) اسے رسالہ "دین و دنیا" دہلی نے نقل کیا اور موخر الذکر سے رسالہ ہمایوں (لاہور) نے اپریل ۱۹۲۹ء میں اقتباس کیا۔ ہمایوں میں ایک کالم "محفل ادب" کے عنوان سے مستقل شائع ہوتا تھا جس میں دوسرے رسالوں سے منتخب کلام نظم و نثر اقتباس کیا جاتا تھا۔ مالک رام صاحب نے اس غزل کو بھی ہمایوں میں دیکھا ہوگا۔ جب وہ تقریباً بیس برس کے بعد دیوان غالب نسخۂ مالک رام ایڈٹ کرنے لگے تو انھیں اس غزل کا خیال آیا۔ انھوں نے مجھے لکھا کہ ہمایوں

میں یہ غزل تلاش کی جائے۔ دہلی یونیورسٹی لائبریری میں اس زمانے کے فائل موجود تھے، میں نے ڈھونڈھا تو یہ غزل مل گئی۔ اوپر جو نوٹ لکھا گیا ہے اسی کے ساتھ یہ چھپی تھی اور لکھا تھا کہ "دین و دنیا" میں شائع کی جا رہی ہے۔ یعنی ہمایوں کا ماخذ دین و دنیا تھا۔ میں نے وہ فائل لائبریری سے مستعار لے کر مالک رام صاحب کے پاس بھجوا دیا اور ساتھ ہی اپنے اس شک کا اظہار بھی کر دیا کہ مقطع میں بھوپال کا ذکر ہے اور غالب کبھی بھوپال نہیں گئے۔ اس لئے یہ غزل پایۂ استناد سے ساقط معلوم ہوتی ہے۔ مالک رام صاحب نے فرمایا کہ غالب کے خطوط خود سے ۱۰-۱۲ سال پہلے سے ملنے شروع ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کے ابتدائی چالیس برس سے متعلق بہت سے امور ابھی پردۂ خفا میں ہیں، اس لئے محض یہ دلیل غزل کے جعلی ہونے کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔ میں اگرچہ اس بارے میں ان سے متفق نہیں ہو سکا تھا لیکن ان کی دلیل اپنی جگہ قابل لحاظ ضرور تھی۔

مولانا عرشی نے بھی نسخۂ عرشی میں یہ غزل شامل کی تو ان کا ماخذ بھی ہمایوں ہی تھا مگر حواشی میں انھوں نے بھی لکھ دیا تھا کہ

"مجھے اس کے کلام غالب ماننے میں بے حد تامل
ہے خصوصاً اس لئے کہ مرزا صاحب کے سفر بھوپال
کا کوئی معمولی اشارہ بھی ہنوز نہیں مل سکا ہے"

(نسخۂ عرشی/۳۹۲)

اب یہ غور فرمایئے کہ غزل کو اصلی یا جعلی قرار دینے کی تین صورتیں ہو سکتی تھیں:

(۱) اصل ماخذ کا حصول۔
(۲) غالب کے سفر بھوپال کا حوالہ۔
(۳) غالب کے رنگ سخن کی شہادت۔

تو پہلی صورت میں یہ دشواری تھی کہ "گوہر تعلیم" کوئی کثیر الاشاعت اور سہل الحصول رسالہ نہیں تھا۔ پھر اس غزل کی حد تک اس میں جتنا کچھ چھپا تھا وہ متعدد پرچوں میں من و عن نقل ہو چکا تھا اور یہ باور کرنے کے لئے کوئی قرینہ موجود نہیں تھا کہ دین دنیا، منادی یا ہمایوں نے اس میں سے عبارت کا کچھ حصہ یا کوئی شعر حذف کر دیا ہے۔ نہ یہ سمجھ میں آسکتا تھا کہ اس میں "اپریل فول" کے الفاظ لکھے ہوں گے جو اقتباس میں رہ گئے رہی دوسری شق تو واقعی غالب کی زندگی کے بہت سے واقعات ابھی محتاج بیان ہیں۔ ابتدائی چالیس برس پر تو ہی کچھ دستیاب ہے جو ان کی تحریروں میں یا ان کے معاصروں کے بیان میں ملتا ہے۔ غالب ریاستوں سے استفادہ کی کوشش میں برابر لگے رہتے تھے ان کے مزاج کو دیکھتے ہوئے یہ خیال ہو سکتا ہے کہ وہ بھوپال کو بھی کاف کرم کی کشش سے کھینچے چلے گئے ہوں۔ منطق کا مشہور اور مسلم مسئلہ ہے کہ "جہل تیے علم تیے

کو مستلزم نہیں ہے"۔ یعنی اگر ہم کسی بات سے واقف نہیں ہیں تو اس کا لازما یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کا وجود ہی نہیں تھا۔ یہی اصول یہاں منطبق کیا گیا۔

اب رہی رنگ سخن کی شہادت۔ یہ ذوقی اور وجدانی معاملہ ہے۔ ایک شعر کو ممکن ہے میرا ذوق غلطی سے غالب کا سمجھ بیٹھے اور ہو وہ کسی مغلوب کا۔ میں نے اپنے ایک مضمون میں اثر لکھنوی کا شعر میر سے منسوب کر دیا تھا وہ مغالطہ اسی "رنگ" سے ہوا تھا۔ ایک عالم یا محقق یا کسی دیوان کے مرتب سے یہ توقع ضرور کرنی چاہئے کہ وہ شاعر کے رنگ سخن کو پہچانتا ہو لیکن اس کا کوئی ریاضی کا سا اصول نہیں بن سکتا۔ چنانچہ نسخۂ عرشی میں وہ جعلی غزلیں بھی موجود ہیں جو عبدالباری آسی مرحوم نے خود تصنیف کر کے غالب سے منسوب کر دی تھیں اور یہ ایک دو نہیں اکٹھی ۱۴ ہیں۔ اب انھیں نسخۂ عرشی طبع دوم سے نکال جائے گا کیونکہ ان کا جعلی ہونا ثابت ہو گیا ہے۔ شمول ان کا اسی اصول کے تحت ہوا تھا جو اوپر درج ہوا۔

ان صورتوں میں اگر جناب ابو محمد سحر بھی دیوان غالب ایڈٹ کرتے اور ان کی رسائی "گوہر تعلیم" تک نہ ہوتی تو وہ ہمایوں پر تکیہ کرتے۔ جمع و ترتیب کا ایک اصول بنا کر اس پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ مثلاً تاریخ اسلام کی روایات یا احادیث نبوی فراہم کرنے والوں نے تدوین کا اور اخذ روایت کا ایک معیار بنا لیا تھا جو روایت اس معیار پر پوری اترتی تھی اُسے قبول کر لیتے تھے حالانکہ عقلی تجزیہ کیا جائے تو ان میں سے بہت سی روایتیں سراسر جعلی معلوم ہوتی ہیں سب سے زیادہ نازک مسئلہ تو قرآن کریم کی جمع و ترتیب کا تھا۔ ڈاکٹر سحر غور فرمائیں کہ وہ کس طرح جمع ہوا ہے اگر کسی سے ایک آیت بھی سنی گئی تو دو گواہوں کا شہادت دینا لازمی تھا کہ یہ وحی الہی ہے۔ پھر بھی سورۂ توبہ کی آخری آیات کو صرف ایک ہی راوی کے قول پر قبول کر لیا گیا اس لئے کہ دوسری کوئی گواہی نہ مل سکی تھی اس کا سبب حضرت ابو خزیمہ الانصاری نے یہ بتایا کہ یہ آیات رسالت مآب کی وفات سے صرف ۹ دن پہلے نازل ہوئی تھیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود "قل اعوذ برب الناس" الخ اور "قل اعوذ برب الفلق" کو جزو قرآن نہیں مانتے تھے اور یہ ان کے مصحف میں موجود نہیں تھیں، لیکن سب کا اجماع اسی پر ہوا کہ یہ منزل من اللہ ہیں۔ تدوین احادیث کو دیکھئے اس میں اور بھی تماشے نظر آئیں گے۔ لیکن جن کتابوں کو صحاح کا درجہ دیا گیا ہے ان کی خصوصیت یہی ہے کہ نہایت حزم و احتیاط کے ساتھ اخذ روایت کے کچھ اصول بنائے گئے اور اُن پر جو روایت پوری اتری اُسے قبول کر لیا گیا۔ اگر جامع اپنی عقل کو معیار بنا لیتا تو ہو سکتا تھا بہت سی کار آمد اور حقیقی روایات ہم تک پہنچ ہی نہ پاتیں۔

مالک رام اور مولانا عرشی نے اسی اصول کے تحت غزل کو

قبول کر لیا۔ موخرالذکر نے تو اپنے شک کا اظہار بھی کر دیا تھا لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ یہ کن بزرگ کی ستم ظریفی ہے؟ اب اگر مطعون ہی کرنا ہے تو غزل کے اصل جعل ساز کو کیجیے جس نے دنیائے ادب سے ایسا خطرناک مذاق کیا، ورنہ یہ کوئی ایسی اہم غلطی نہیں ہے کہ اسے "دنیائے تحقیق کا سب سے عبرت انگیز" واقعہ کہا جائے۔ عبرت انگیزی تو یہ ہے کہ جن بزرگوں کی ساری عمر علم کھنگالتے گذر گئی، "بال سفید ہو گئے" زندگی کا بہترین زمانہ جو اور لوگ آرائش و آسائش میں گذارتے ہیں انھوں نے علم و تحقیق کی خدمت میں گذار دیا۔ اب وقت یہ تھا کہ ہم لوگ ان کے احسان مند ہوتے کہ انھوں نے اردو کا بھرا پرا خزانہ نئی نسل کے حوالے کیا ہے اور ایسے راستے نکال دئے ہیں جن پر آئندہ چلنے والوں کو زیادہ دشواری محسوس نہیں ہوگی۔ مگر ہو یہ رہا ہے کہ دودھ چھوڑنے کے بعد جس نے "تحقیق" شروع کی ہے وہ بھی ریش بابا کو اپنی بازی گاہ بنائے ہوئے ہے[1]۔ اگر ان بزرگوں کو پچاس برس تک خدمت کرنے کا یہی صلہ ملنا چاہیے تو مجھے یا آپ کو کیا توقع ہو سکتی ہے کہ ہمارے گلے میں کوئی نولکھا ہار ڈالا جائے گا؟

دیوان غالب قلمی نسخہ بھوپال کے ترقیمے پر ایک نظر

ڈاکٹر ابو محمد سحر نے اپنے مضمون "دیوان غالب قلمی نسخہ بھوپال، ملکیت اور کتابت" مشمولہ نیا دور لکھنؤ اگست ۸۶ء میں لکھا ہے:

"اتنا تو تقریباً یقینی ہے کہ اس پر کتب خانہ فوجدار محمد خاں کا اندراج اور ان کی ۱۲۴۹ھ کی مہر کی آرائش اپنی (معین الدین) کی رہین منت تھی کیونکہ اس کتب خانہ کی اکثر موجود کتابوں پر اسی قلم میں ان کا ہاتھ صاف پہچانا جا سکتا ہے اور کچھ عجب نہیں کہ نسخہ بھوپال کے حاشیوں پر شکستہ خط کے بعض اضافے جو تربیت یافتہ خط کے آئینہ دار ہیں اور جن پر غالب کے خط کا دھوکا ہو چکا ہے انھیں کی سرسری جنبش قلم کا نتیجہ ہو۔"

معین الدین کے زمانہ کا پتہ ڈاکٹر صاحب مذکور نے اس طرح دیا ہے کہ اس کے ہاتھ کی لکھی ایک کتاب ۱۴ ر جمادی الثانی ۱۲۴۲ھ کی اور دوسری ۹ ر محرم ۱۲۴۸ھ کی بتائی ہے۔ اس طرح اس کا امکان ہے کہ اس نے دیوان غالب کے مخطوطے کو ۱۲۴۸ھ میں لکھا ہو۔ ترقیمہ میں وہ یہی سنہ لکھنا چاہتا ہو لیکن سہواً عددوں کی ترتیب بدل کر ۱۲۳۸ھ لکھ گیا ہو۔

۱۲۳۸ھ کے مقابلہ میں ۱۲۴۸ھ میں غالب کے ساتھ "مرزا صاحب و قبلہ" لکھا جانا زیادہ قرین قیاس بھی ہے۔ کاتب کو غالب سے عقیدت تھی جس کا اظہار ترقیمہ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ اس عقیدت کے سبب اس نے غالب کے قلمزد اشعار کو بھی فراہم کر کے غالب کے متداول کلام کے ساتھ اس دیوان میں شامل کر دیا ہو۔

میری درخواست ہے کہ ماہرین غالبیات اس پہلو پر بھی غور کریں شاید کوئی کام کی بات اس طرح سامنے آ سکے۔

• محمد آفاق ایم۔ اے

[1] یہاں روئے سخن ڈاکٹر ابو محمد سحر کی طرف ہرگز نہیں ہے۔ میں ان کے کام کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔

کتابیں ملیں

(تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں)

مشاہیر کے اولین صحیفے

مصنف: عابد رضا بیدار
ناشر: رامپور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز
ضخامت: ۱۰۴
قیمت: بیس روپے

دکنی کی ابتدا

مصنف: ڈاکٹر آمنہ خاتون
ناشر: ہمدرد بک ڈپو، [illegible] مارکٹ
صفحات: ۵۵

انجمن کی خبریں

چھوٹا ناگپور علاقائی اردو کانفرنس رانچی

انجمن ترقی اردو رانچی کے زیر اہتمام چھوٹا ناگپور علاقائی اردو کانفرنس رانچی کا اجلاس جناب غلام سرور صاحب ایم اے اڈیٹر سنگم پٹنہ کے زیر صدارت مولانا آزاد ہائی اسکول کے وسیع میدان میں منعقد ہوا۔

انجمن کے سکریٹری جناب ابوذر عثمانی صاحب کی رپورٹ اور صدر مجلس استقبالیہ جناب ایم اے رؤف صاحب کے خطبہ استقبالیہ کے بعد جناب جگدیو پرشاد وزیر ترقیات، جناب کلیان کمار، جناب مولانا فاروق الحسینی، جناب پروفیسر عبدالغنی جناب سراج مرزا، اور جناب شباب صدیقی نے اپنی تقریروں میں اردو کے ساتھ ریاستوں کے ناروا سلوک کی شکایت کرتے ہوئے اردو کے جائز حقوق کا مطالبہ کیا اور اردو دوستوں سے اردو کے جائز حقوق تسلیم کرانے کے لئے آئینی جد وجہد جاری رکھنے کی درخواست کی۔

آخر میں صدر جلسہ جناب غلام سرور صاحب نے اپنے خطبہ صدارت میں اردو کے تحفظ و بقا اور ترقی و اشاعت کے لئے آئینی جد وجہد کے لئے تیار رہنے کے لئے اردو دوستوں سے اپیل کی۔ اس جلسہ میں اتفاق رائے سے مندرجہ ذیل تجاویز منظور کی گئیں۔

تجویز نمبر ۱۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو سالہا سال سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ اردو کو ریاست بہار کی علاقائی زبان اور اور مخصوص مقاصد کے لئے دوسری سرکاری زبان حکومت کی جانب سے باضابطہ تسلیم کیا جائے تاکہ اس ریاست میں اردو کا مسئلہ خاطر خواہ طور پر حل ہو سکے لیکن تمام یقین دہانیوں کے باوجود اب تک ہمارا یہ بنیادی اور اہم ترین مطالبہ تسلیم نہیں کیا گیا ہے۔

چھوٹا ناگپور علاقائی اردو کانفرنس حکومت سے شدید مطالبہ کرتی ہے کہ جلد از جلد ریاست بہار میں اردو کو علاقائی اور دوسری سرکاری زبان قرار دینے کا اعلان کرکے انجمن کے اس آئینی و جمہوری مطالبے کو پورا کرے ورنہ ایک بار پھر بہار ریاستی انجمن ترقی اردو پورے زور و شور کے ساتھ میدان عمل میں آجائے گی اور اپنے مطالبے کی تعمیل کے لئے پہلے سے زیادہ وسعت و شدت کے ساتھ عوامی مہم چلائے گی اور اس سلسلے میں سیاسی سطح پر بھی وہ سب کرے گی جو آج کے حالات میں ہر طبقہ اپنے جائز حقوق کے حصول کے لئے کرتا ہے۔

تجویز نمبر ۲۔ مگدھ یونیورسٹی نے ایک غیر جمہوری سرکلر کے ذریعہ امتحان کے پرچوں کا جواب دینے کی قدیمی اور فطری سہولت کو ختم کرنے کی جو مذموم آمرانہ اور ظالمانہ کوشش کی ہے بہار ریاستی انجمن ترقی اردو نے اس کے خلاف مختلف ذرائع سے ایک عوامی و آئینی مہم چلائی اور حکومت بہار کے اعلیٰ ترین ذمہ داروں نے اس بدنام زمانہ سرکلر کے واپس لئے جانے اور مادری زبان کے ذریعہ امتحان کے پرچوں کا جواب دینے کی سہولت کو برقرار رکھنے کا یقین بھی دلایا لیکن اب تک یہ سرکلر واپس نہیں لیا گیا ہے۔ لہٰذا ہم حکومت بہار سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ بلاتاخیر اس سرکلر کی واپسی اور مادری زبان کے حق کی بحالی کا انتظام کرے تاکہ اپنے ایک ضروری اور اہم حق کی بحالی کے لئے ہمیں ایک نئی مہم چلانے کی ضرورت نہ لاحق ہو ورنہ ہم اپنے اس عزم کا اعلان کرتے ہیں کہ اگر یہ سرکلر جلد از جلد واپس نہیں لیا گیا تو ہم ایک بار پھر میدان عمل میں آجائیں گے اور اس کو واپس کراکر ہی دم لیں گے۔

تجویز نمبر ۳۔ ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کا وقت اب قریب آچکا ہے اور اہل اردو کے لئے اس کی نزاکت و اہمیت از خود واضح ہے، یہ جمہوریت کا دور ہے، جس میں تمام فیصلے تعداد کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں چنانچہ جس طبقہ کی جتنی تعداد ہوتی ہے اسی کے مطابق وہ جمہوری فیصلوں پر اپنا وزن اور اثر ڈال سکتا ہے۔ ایسی صورت میں انجمن اور اہل اردو دونوں کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ لہٰذا چھوٹا ناگپور علاقائی اردو کانفرنس کا یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ جلد از جلد اور وسیع پیمانے پر ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے موقع پر زبان کے خانہ میں صحیح اندراج کی مہم چلائی جائے تاکہ اہل اردو کی تعداد صحیح اور پورے طور پر درج کی جاسکے اور اردو والوں کے جمہوری حقوق کا تحفظ ہو سکے۔

ان کے علاوہ جو دوسری تجاویز پیش کی گئیں اور اتفاق رائے سے منظور ہوئیں وہ مختصراً درج ذیل ہیں۔

(۱) یہ اجلاس رانچی یونیورسٹی کے ارباب حل و عقد سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ رانچی یونیورسٹی میں ایم۔ اے (اردو) کا شعبہ جلد از جلد قائم کیا جائے۔

(۲) رانچی ریڈیو سے اردو کا پروگرام مہینہ میں ایک بار اور وہ بھی صرف پندرہ منٹ کا نشر ہوتا ہے، ضرورت ہے کہ اردو پروگرام میں اضافہ کیا جائے اور اوقات میں توسیع کی جائے۔

(۳) رانچی شہر میں ابتدائی سطح کا ایک اردو میڈیم کنڈرگارٹن اسکول جلد قائم کیا جائے جس کی شدید ضرورت ہے۔

(۴) رانچی یونیورسٹی کے بہت سارے ملحقہ کالجوں میں جہاں اردو کی تعلیم کا انتظام نہیں ہے، یونیورسٹی اور گورننگ باڈیز کو اس کی طرف متوجہ کیا جائے۔

(۵) ابتدائی سطح پر اردو کی تعلیم کا مسئلہ نہایت اہم ہے ضرورت ہے کہ اہل اردو اور اردو انجمنیں مضافات کے علاقوں میں ابتدائی تعلیم کے نظم کی طرف خصوصی توجہ دیں۔

(۶) مڈل کلاس تک اردو کو اردو طلبہ کے لئے لازمی مضمون قرار دیا جائے تاکہ اس طرح جن بچوں کی مادری زبان اردو ہے ان کے ساتھ عملاً انصاف ہو سکے۔

(۷) چھوٹا ناگپور گرلس ہائی اسکول بریاتو (رانچی) میں اردو طالبات کی خاصی تعداد ہے، پھر بھی صرف ایک معلمہ کی جگہ رکھی گئی ہے، اسکول میں اردو کے ساتھ فارسی کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے اس لئے ضرورت ہے کہ دو مزید معلمہ کی جلد بحالی کی جائے تاکہ اردو طالبات کو اردو اور فارسی دونوں مضامین کی تعلیم میں سہولت ہو۔

(۸) یہ اجلاس اس کی پرزور مخالفت کرتا ہے کہ اردو رسم خط میں کسی قسم کی تبدیلی کی جائے، جو ادبار دشوار اردو رسم خط کو بدل کر دیو ناگری رسم خط رائج کرنے کی تحریک چلا رہے ہیں وہ اردو زبان کے دشمن ہیں اور قطعی قابل مذمت۔

(۹) آزاد ہائی اسکول رانچی کا ایک مشہور و معروف تعلیمی ادارہ ہے، اس کا نظم و نسق روز اول ہی سے اردو والوں کے ہاتھ میں رہا ہے مگر اس حقیقت کے باوجود اسے اب تک اقلیتی ادارے کی حیثیت سے تسلیم نہیں کیا گیا ہے، یہ اجلاس حکومت سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ جلد اسکول کو اقلیتی ادارے کی حیثیت عطا کرے۔

(۱۰) رانچی کے اردو صحافیوں اور اخباری نمائندوں کو حکومت کی طرف سے برابر نظر انداز کیا جاتا ہے جبکہ ہندی اور انگریزی اخبارات کے نمائندوں کو باضابطہ طور پر ہر عوامی اور خصوصی جلسے میں دعوت نامے بھیجے جاتے ہیں یہ اجلاس حکومت بہار کے محکمۂ اطلاعات سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس غیر جمہوری اور غیر منصفانہ طرز عمل کو بدلے۔

(۱۱) کملا کالج (رانچی یونیورسٹی) میں جہاں خاصی بڑی تعداد میں اردو طلبہ تعلیم پاتے ہیں اردو لیکچرر کی جلد از جلد بحالی کی جائے۔

(۱۲) جمہوری حکومت میں مختلف لسانی انجمنوں اور اداروں کے درمیان اشتراک عمل ہمیشہ سود مند رہا ہے اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ اہل اردو بنگلہ، اڑیا، پنجابی، تامل اور دوسری اقلیتی زبانوں کے افراد سے مل کر اقلیتی زبانوں کے ایک کنفڈریشن کا قیام عمل میں لائیں۔

(۱۳) اس سال ایلمنٹری امتحان کے ساتویں درجہ کے انگریزی پرچہ میں ترجمہ کی عبارت میں چند ایسی فاحش غلطیاں رہ گئی ہیں جن سے اردو امیدواروں کو شدید نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ ضرورت ہے کہ بورڈ کے ذمہ دار اس کی طرف فوری توجہ دیں اور متعلقہ پرچے کے ممتحن کو واضح ہدایات دے دیں تاکہ اردو داں طلبہ کا اس پرچہ میں کوئی نقصان نہ ہو۔

• اسلم پرویز

رودادِ اجلاس عاملہ انجمن ترقی اردو ہند (شاخ) گلبرگہ

کاشانۂ آرزو میں زیر صدارت جناب مولوی محمد عبد الرحیم صاحب آرزو بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی صدر انجمن ترقی اردو ہند (شاخ گلبرگہ) انجمن کا ایک ہنگامی اور خصوصی اجلاس منعقد ہوا جس میں باتفاق یہ طے پایا کہ انجمن کی جانب سے ۱۹۷۱ء میں ہونے والی مردم شماری میں اردو داں کو اپنی مادری زبان "اردو" لکھوانے کے لئے صدر انجمن کو جامع پروگرام مرتب کرکے کام کا آغاز کرنے کا اختیار دیا جائے۔

علاوہ ازیں یہ بھی طے پایا ہے کہ گلبرگہ میں آل میسور اردو کانفرنس منعقد کی جائے جس کے پروگرام کو آئندہ اجلاس میں قطعیت دی جائے گی۔

باعث مسرت ہے کہ خواجہ بندہ نواز "ایوان اردو" کا ایک "ہال" صدر انجمن کی ذاتی دلچسپی اور کوششوں سے پایۂ اختتام کو پہنچ رہا ہے جس کے افتتاح کے پروگرام کو مرتب کرنے اور انتظامات کا اختیار صدر انجمن کو دیا گیا ہے "ہال" کی تعمیر کے لئے مالیہ کمیٹی سے اعلان شدہ عطیوں کی وصول اور فراہمی سرمایہ کے لئے مناسب دیگر طریقہ اختیار کرنے کی خواہش کی گئی ہے اور وصول شدہ رقم کو انجمن کے کھاتہ سنڈیکیٹ بنک میں جمع کرنے کی بھی خواہش کی گئی ہے۔

صدر انجمن نے حسب تعقیب عاملہ متعلقہ کے ہر رکن عاملہ کو ہدایت دی ہے کہ وہ "متعلقہ کمیٹی برائے مردم شماری" تشکیل دیں اور انجمن کی ہدایات پر کام انجام دیں۔ اور آل میسور اردو کانفرنس کے سلسلہ میں اپنی تحریکات بھی صدر انجمن کے پاس روانہ کریں اور مالیہ کی فراہمی کا کام بھی انجام دیں۔

صدر انجمن نے سارے ضلع میں کام کرنے والی ادبی، تہذیبی اور سماجی اداروں اور انجمنوں سے اپیل کی ہے کہ وہ انجمن کے پروگرام کو کامیاب بنانے میں تعاون کریں۔ علاوہ ازیں صدر انجمن نے ساری ریاست میسور کی ادبی انجمنوں سے خواہش کی ہے کہ آل میسور اردو کانفرنس میں حصہ لیں اور اس میں تعاون کریں۔

• نامہ نگار

اخبار و اذکار

اردو بورڈ کی طرف سے اردو ٹائپ سلاو پر ائٹروں کی فراہمی کا عزم

نئی دہلی:- مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر وی کے آر وی راؤ نے اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے انکشاف کیا کہ اردو کتابوں کے ترقیاتی پروگرام کے لئے مرکز نے مرکزی ترقی اردو بورڈ کو ایک کروڑ روپیہ کا سرمایہ فراہم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

یونیورسٹی سطح کی نصابی کتابوں اردو ادب کے سوا بورڈ۔ سائنس بچوں کے ذخیرہ انسائیکلوپیڈیا اور ہر سطح پر اردو کی تعلیم کے لئے ضروری کتابوں کو مرتب کرے گا اور شائع کرے گا۔

مختلف مضامین کی ۲۰۸۰ کتابوں کے ترجموں کا فیصلہ کیا جا چکا ہے۔ ۴۰۰ کتابوں کے ترجموں کے لئے مترجموں۔ ادیبوں اور مرتب کرنے والوں کا انتخاب بھی کیا جا چکا ہے۔ پروگرام پر عملدرآمد کی نگرانی کے لئے بورڈ نے ایک ایگزیکٹیو ڈائرکٹر کے تقرر کا بھی فیصلہ کیا ہے۔ بورڈ نے اخبارات و جرائد میت اور اس کے مطبوعہ ادب کی نمائش لگانے کا بھی فیصلہ کیا ہے پروفیسر مجیب کی چیرمین شپ میں ایک سب کمیٹی کا اس سلسلہ میں تقرر کیا گیا ہے اردو بورڈ نے چھاپہ خانوں کو سپلائی کرنے کے لئے اردو ٹائپ تیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور اس سلسلہ میں ٹائپ بنانے والے میٹرس کی درآمد کے لئے سفارش کی ہے اس اردو ٹائپ رائٹروں کی درآمد کے لئے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے مدد کا وعدہ کیا ہے بورڈ نے اردو کے خوش نویسوں کی تربیت کے ادارہ کے قیام کی سفارش بھی کی ہے۔ حکومت ہند نے دہلی میں اردو گھر کے قیام کے لئے انجمن ترقی اردو کو چار لاکھ روپیہ کی امداد دینے کو اصولی طور پر صرف اس شرط کے ساتھ منظور کر لیا ہے کہ انجمن اس اردو گھر میں ترقی اردو بورڈ کے دفاتر اور بورڈ کے تحت چلنے والی اردو لائبریری کے لئے معقول جگہ فراہم کرے گی۔

• سیاست

اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں ہے بلکہ ایک مہذب عوامی زبان ہے

نئی دہلی: اردو کے مشہور شاعر جناب رگھوپتی سہائے فراق گورکھپوری نے جو بھارتیہ گیان پیٹھ کا انعام لینے کے لئے دہلی آئے ہیں ایک جلسہ میں کہا ہے کہ ہندوستان میں اردو کو جڑ سے مٹا دینے کی کوشش کی جا رہی ہے انھوں نے کہا کہ آج کسی طالب علم کے لئے اسکول یا کالج میں اردو زبان کا پڑھنا عملاً تقریباً ناممکن بنا دیا گیا ہے فراق صاحب نے کہا ہے کہ اردو کو کچل دینے کی کوشش کرنے والے وہ لوگ ہیں جو گنوارپن اور تہذیب کے درمیان اختلاف کو ابھار رہے ہیں۔ مگر اس پس منظر میں یہ بات بھلا دی جاتی ہے کہ جہاں ایک طرف تہذیب گنوارپن کے لئے نجات دہندہ ثابت ہو سکتی ہے۔ وہاں گنوارپن میں اتنی سکت نہیں کہ وہ تہذیب کا معاون ثابت ہو سکے انھوں نے کہا کہ کسی بھی زبان کا اولین امتحان یہ ہوتا ہے کہ عوام الناس اپنی روزمرہ کی بول چال میں اس کا استعمال کرتے ہوں۔ اسی وجہ سے اگر ہندی زبان عوام کے درمیان تک پہنچ جائے تو اس کے اندر سے غیر فطری پن اور زبان کو اپنا دینے والا تلفظ نکل جائے گا اس کا فطری نتیجہ اس شکل میں برآمد ہوگا کہ ہندی اور اردو ایک دوسرے کے بہت قریب آ جائیں گی۔ جناب فراق نے کہا کہ اردو زبان کسی بڑے شہر میں بول چال کی شکل میں استعمال کی جانے والی ہندی زبان کا طبعی ارتقا ہے۔ اردو چاندنی چوک کی زبان تھی جس کو حاشی اور دوسرے سماجی شعبہ جات زندگی میں استعمال کیا جاتا تھا اور اسی وجہ سے مختلف ماحول اور زبان کے الفاظ اردو زبان میں چن چن کر شامل ہوتے گئے اور یہ زبان مالا مال ہو گئی۔

انھوں نے کہا کہ یہ کہنا قطعی غلط ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔

جناب فراق نے کہا کہ انتہا پسند ہندی کے دیوانے جس زبان کی وکالت کرتے ہیں وہ ماضی کے ان لوگوں کی زبان ہے جن کا وقت آگے بڑھ چکا ہے۔ انھوں نے کہا کہ سنسکرت آمیز ہندی کا مطلب گنوارپن کو فضیلت کا لبادہ اڑھانا ہے۔

• سیاست

ماریشس میں یوم مجاز

ڈی نیشنل اردو انسٹی ٹیوشن میں اردو کے مشہور شاعر مجاز کی یاد میں "یوم مجاز" منایا گیا۔ ایک ڈائجسٹ تھا جس میں بہت سے لوگ ایسے تھے جو اردو نہ پڑھ سکتے تھے مگر اردو سے دلچسپی رکھتے تھے اس ادارے کے جنرل سکریٹری جناب حنایت حسین عیدن ایم۔ اے (علیگ) نے مجاز کا تعارف مختصر طور پر کرایا۔ اس کے بعد اطہر پرویز صاحب نے مجاز کی زندگی اور شاعری پر تفصیل سے بحث کی۔

انھوں نے مجاز کی زندگی کو اردو شاعری کا المیہ کہا اور مجاز کی زندگی کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی جن سے مجاز کے کردار کو اچھی طرح سے ابھرنے کا موقع ملا۔ آخر میں جناب محمود معین الدین ہاشم مسافر اور احمد حسین احمد نے مجاز کی چند غزلیں سنائیں۔

نامہ نگار

ماریشس میں یوم سرسید

سر سید احمد خاں کی یوم پیدائش کے موقع پر یوم سر سید دی نیشنل اردو انسٹی ٹیوٹ میں منایا گیا۔ اس موقع پر ایک مشاعرہ منعقد کیا گیا۔

پروفیسر اطہر پرویز نے اپنی تقریر میں کہا کہ سر سید احمد خاں دنیا کے ان لوگوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنی قوم وملت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا۔ ان میں غیر معمولی صلاحیتیں تھیں۔ اردو زبان و ادب سے بھی ان کو بڑا شغف تھا۔

عنایت حسین عیدن صاحب نے ایک مقالہ پڑھا جس میں انھوں نے سر سید کی زندگی کی تصویر خود ان کے خطوط سے کھینچنے کی کوشش کی۔ اس کے بعد ایک مشاعرہ ہوا۔

• نامہ نگار

مرکزی بزم شفا کا انتخاب

مرکزی بزم شفا بھوپال کی ورکنگ کمیٹی کی ایک اہم نشست بزم کے دفتر میں زیر صدارت جناب حاجی سید یعقوب مسلم منعقد کی گئی اور درج ذیل حضرات کو متفقہ طور پر نئی ورکنگ کمیٹی کا عہدیدار منتخب کیا گیا۔

جناب عشرت قادری (نگراں)، جناب یعقوب علی مسلم (صدر) جناب واحد پریمی (نائب صدر) جناب مظفر رئیسی (جنرل سکریٹری) جناب رضا صدیقی (سکریٹری) جناب تصور لطیف (خازن)

عہدیداروں کے علاوہ اراکین مجلس عاملہ میں حضرت آنند موہن اعجاز، رہبر جونپوری، ارمان اکبرآبادی، مسلم ساگری، شفق تنویر، میلانی سیوتے اور بشیر گوالیاری کو منتخب کیا گیا۔

اس کے علاوہ (۱) حضرت شفا گوالیاری مرحوم کے مقامی اور بیرونی تلامذہ کی ادبی رہنمائی کے لئے ایک "اصلاح کار کمیٹی" قائم کی گئی۔ (۲) "یاد شفا" پروگرام کو عملی شکل دئے جانے کے سلسلے میں جنوری ۱۹۷۷ء کے تیسرے ہفتہ میں ایک آل انڈیا مشاعرہ منعقد کرنے کی تجویز منظور کی گئی۔ (۳) تلامذہ شفا کے مجموعہ اور دیگر تخلیقات کو طبع کرانے کے سلسلے میں ایک پبلشنگ ہاؤس قائم کرنے کی تجویز بھی منظور کی گئی۔

• نامہ نگار

بزم تعمیر نو بھوپال کا پہلا سالانہ جلسہ

بھوپال، یہاں بزم تعمیر نو (شعراء کی انجمن) نے اپنی پہلی سالانہ تقریبات منائیں۔ ان کی صدارت صوبائی وزیر امداد باہمی جناب کرشن نرائن پردھان نے کی۔ شری پردھان نے اپنی تقریر میں کہا کہ بھوپال اردو کا مرکز ہے۔ یہاں کے شعراء نے بھوپال کے ادبی وقار کو بلند کیا ہے۔ پروفیسر آفاق احمد نے تقریبات کی ابتدائی تقریر کرتے ہوئے بزم تعمیر نو کی کوششوں کو سراہا اور بھوپال کے ادبی ماحول پر روشنی ڈالی اس موقعہ پر ایک مشاعرہ ہوا جس میں ۳۵ شعرائے کرام نے کلام سنایا ان میں شری بھوپالی، عظمت بھوپالی، وکیل بھوپالی، ساحر بھوپالی، رفعت الحسینی وغیرہ شامل تھے۔

• نامہ نگار

صفحہ ۲ سے آگے

اس لحاظ سے سحر ہنگامی ہی سچے۔ ایسی صورت میں اردو گئودان پریم چند کی اصل تصنیف نہیں بلکہ ان کے ہندی ناول کا اردو ترجمہ ہے اردو ہندی کے قریبی لسانی رشتے کے باوجود اردو ناول کی تاریخ کو ترتیب دیتے وقت اصل تصنیف اور ترجمہ کے اس فرق کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔ اگر اردو گئودان اقبال ورما سحر ہنگامی کا کیا ہوا ترجمہ ہے تو وہ پریم چند کی نظر ثانی کے باوجود اردو کی اصل تصنیف نہیں۔

ڈاکٹر مسعود حسین خاں

میرا صفحہ

گئو دان باتفاق رائے اردو کا بہترین ناول تسلیم کیا جاتا رہا ہے۔ لیکن کیا اردو گئو دان پریم چند کے قلم سے نکلی ہوئی تصنیف ہے یا یہ ترجمہ ہے جو انھوں نے اپنے دیرینہ دوست اقبال ورما سحر ہتگامی کی مدد سے کیا ہے؟ اگر اس ترجمہ میں سحر کا ہاتھ زیادہ ہے اور سوانحی شہادتوں کے مطابق پریم چند نے صرف نظر ثانی کی ہے تو اردو گئو دان کو پریم چند کی تصنیف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی حیثیت صرف ہندی "گئو دان" کے ترجمے کی ہے اور کسی دوسری زبان کے ترجمے کو اردو کی اصل تصنیف شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے گئو دان' اردو تصنیف نہیں اور نتیجتہً اردو کا بہترین ناول بھی نہیں کہا جا سکتا۔

اردو گئو دان کی تصنیف کے سلسلے میں جو شہادتیں ملتی ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔ دیا نرائن نگم یوں رقم طراز ہیں۔

(۱) "۱۹۳۶ء میں آپ کا آخری ناول گئو دان!
(گئو دان ابھی سرسوتی پریس بنارس سے شائع ہوا
اس کی دو ہزار جلدیں بک چکی ہیں اور پہلا
ایڈیشن قریب اختتام ہے۔ اس کا اردو ترجمہ
بھی سحر صاحب کی امداد سے جلد ہی شائع ہوگا۔"
(پریم چند کی بعض تصانیف کے حالات" زمانہ
'پریم چند نمبر' ص ۱۹۰

اقبال ورما سحر ہتگامی پریم چند کو اس قسم کی مدد اس سے قبل بھی دیتے رہے تھے۔ مدن گوپال "پریم چند کے خطوط" کے دیباچے (ص ۲۲) میں رقمطراز ہیں۔

"یہیں لکھنؤ میں پریم چند نے اپنا اگلا ناول
شروع کیا یہ اولاً ہندی میں لکھا گیا، اس کا نام
تھا کایا کلپ۔ کچھ سال کے بعد یہ اردو میں
'پردۂ مجاز' کے نام سے شائع ہوا۔ اس کا ترجمہ
پریم چند نے خود ہندی سے اردو میں کیا۔ مگر
"رنگ بھوم" اور "چوگان ہستی" میں اتنا
اختلاف تھا کہ چوگان ہستی کا دوسرا مسودہ ہندی
ناول سے ترجمہ کروانا پڑا۔ اسے پریم چند نے
اقبال ورما سحر ہتگامی سے کروایا۔"

اقبال ورما سحر ہتگامی سے پریم چند کے اس قسم کے کاروبار کی توثیق ان کے ۱۹۳۱ء کے ایک خط سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے اپنے عزیز دوست دیا نرائن نگم کو تحریر کیا تھا۔

"حضرت سحر کو میں نے ۲۰۰ دینا طے کیا ہے
وہ راضی بھی ہو گئے۔
(پریم چند کے خطوط ص ۲۲۹)

ہندی "گئو دان" ۱۰ر مئی ۱۹۳۵ء کے قریب شائع ہوا ہے جینندر کمار کو اسی تاریخ کے ایک خط میں لکھتے ہیں۔

"گئو دان نکل گیا، کل تمہارے پاس جائے گا۔
خوب موٹا ہو گیا ہے ۶۰۰ سے بڑھ گیا۔۔۔۔"
(اصل خط ہندی میں ؛ ص ۲۴۶)

پریم چند کا انتقال ۸ر اکتوبر ۱۹۳۶ء کو ہوا۔ اس لحاظ سے اردو گئو دان کی تصنیف / ترجمہ کا کام ۱۰ر مئی ۱۹۳۵ء تا ۸ر اکتوبر ۱۹۳۶ء ایک سال اور ۵ مہینے کی مختصر مدت کے دوران ہوا ہے۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے بمبئی کی فلمی دنیا سے واپسی کے بعد پریم چند کی صحت مسلسل خراب رہی ہے اور جون ۱۹۳۶ء سے تو وہ تقریباً بستر ہی کر رہ گئے تھے۔

۱۳ر ستمبر ۱۹۳۶ء کے ایک خط میں وہ مسٹر اندر بیاوڈا کو لکھتے ہیں :

" دو روز ہوئے تمہارا خط ملا پچھلے دو مہینے
سے بستر پر بیمار پڑا ہوں۔۔" (ص ۲۸۹)

اس طرح اردو گئو دان کی تصنیف کا زمانہ سمٹ کر ایک سال کے قریب رہ جاتا ہے۔ اس سال کے دوران انھوں نے 'ہنس' اور پریس کو بنارس سے الہ باد منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا، بمبئی سے واپسی کے بعد ان کی مالی دقتوں میں اضافہ ہوتا گیا؛ جینندر کمار کو ۲۷ر ستمبر ۱۹۳۵ء کے خط میں لکھتے ہیں

" روپے کے رشتے میں کیا لکھوں۔۔۔۔۔۔ میں
تو پانچ مہینے میں ایک پیسہ بھی نہ کما سکا، بمبئی
سے تھوڑے سے پیسے لایا تھا' وہ پانچ مہینے میں
کھا گیا اور کچھ قرض چکا دیا۔۔۔۔۔ اب اسی
چنتا میں گھل رہا ہوں کہ آگے کیا ہوگا۔۔۔"
(اصل خط ہندی میں ص ۲۷۲)

ان حالات میں پریم چند اردو گئو دان کے ترجمے پر کس قدر وقت صرف کر سکے ہوں گے یہ مشتبہ ہے۔ غالباً شریک غالب
(باقی صفحہ ۱۱ پر)

مالک انجمن ترقی اردو (ہند) علی گڑھ پرنٹر و پبلشر سید تفضل حسین ایم۔ اے نے لیتھو کلر پرنٹرس علی گڑھ میں چھاپا اور دفتر مرکزی انجمن سے شائع کیا
REGD- NO. L 822 فون نمبر ۲۹ R. NO. 2186/57